پرائمری سطح پربراہوئی زبان بحیثیت ذریعہ تعلیم

ایثار حسین ذوق

ABSTRACT:

It goes without saying that a child learns much in his /her mother tongue as compared to the other language made for a child as a medium of teaching, .that is why almost all advanced countries have prefered to their own mother tongue as medium of education and today they are ruling the world almost in every sphere of life.

When we consider about Brahui language as a medium of education in the light of above facts ,we come to know that Brahui language possesses all the requiered wherewithal to fulfil the demonds of its making a medium of education for Brahui speaking people .Today there is a good amount of litrary treasures to bring a variation of litrature or to find material for the character building of the students .Further more,Brahui language is one of the ancient languages of this region and it offers a vast domain for research .The number of Brahui speaking people are in millions who love their mother tongue much whehereas this language has been included in the list of impanding vanishing languages. There for it is imperative to make it the medium of education without further delay.

In this research paper Brahvi language has been focused and research was carried out to ascertain the qualities of Brahvi Language as a medium of education and relevent aspects of it have been discussed thoroughly. The methods adopted are collecting material, observation, deep study and analytical approach and after a comparison, the outcomes have been viewed in the context of realities exposed the above facts.

Key words:Mother Tongue,Problems,Characteristics,Patronizing Awareness,Unique,Development,Medium,Brahui

تعارف(introduction):(زبان انسانی شناخت کا اہم ستون ہے اورانسانی تہذیب کے ارتقاء میں اس کی حیثیت ہر لحاظ سے مسلم ہے۔یہ کہنا بے جا نہ ہوگاکہ انسانی معاشرے کی تشکیل اور سماجی اقداروروایات اور معمولات کو وجود میں لانے میں زبان کا کردار ہر دور میں اہم رہا ہے۔

پاکستان کے ثقافتی حسن کی ایک بڑی وجہ اس ملک کاکثیراللسانی سرزمین ہونا ہے۔یہاں نہ صرف برصغیر بلکہ دنیا کی چند قدیم زبانیں بولی جاتی ہیں جن میں سے ایک براہوئی ہے۔محققین کی اکثریت اس بات پر متفق ہے کہ براہوئی زبان کا تعلق دراوڑی خاندان سے ہے جو زمانہ قدیم سے بلوچستان میں سراوان اور جہلاوان میں بولی جاتی رہی ہے بلکہ یہ زبان نہ صرف پاکستان بلکہ قریبی ہمسایہ ممالک میں بھی بولی جاتی ہے لیکن ادبی تخلیق کی سست رفتاری اور ریاستی سرپرستی کی عدم موجودگی نے اس زبان کونہ صرف بڑے بڑے مسائل میں جکڑ دیا ہے بلکہ اس کے وجود تک کو بھی خطرے میں ڈال دیا ہے۔لہٰذا بہت ضروری ہے کہ اس ضمن میں جلد ازجلد سنجیدہ کوششوں کا آغازکیا جائے اور اس حوالے سے فوری اور سب سے اہم قدم اس زبان میں تدریسی عمل کا آغاز ہے۔

جب ہم زبان کی اہمیت تعلیمی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں تو پرائمری کی سطح تک مادری زبان میں تعلیم کی اہمیت ایک تسلیم شدہ تعلیمی اصول ہے اور مادری زبان میں تعلیم کا حق بچوں کا انسانی اور لسانی حق ہے۔مادری زبان میں علم حاصل کرنے سے انسان مادی اور شعوری ترقی کرتا ہے اور اس سے انسان کی تحقیقی صلاحیتوں کو پھلنے پھولنے کا موقع ملتا ہے۔ماہرینِ لسانیات وبشریات کا اتفاق ہے کہ بچے سب سے زیادہ علم اپنی مادری زبان میں سیکھتے ہیں ۔بچے کے ساتھ کتنا بڑا ظلم اور کتنی بڑی نا انصافی ہوگی کہ وہ اپنے کنبے،عزیز اقارب ،ہمسایوں اور گلی محلے میں بچوں کے ساتھ تعلق اور کھیل کود میں کوئی دوسری زبان بولتا ہو اور اسکول میں جہاں وہ چار پانچ گھنٹے کے لیے آتاہے یہاں کوئی اور زبان سے واسطہ پڑے ۔وہ یہ تعلیم جسے ذریعہ تعلیم کہتے ہیں مادری زبان کے بجائے کسی دوسری زبان کے ذریعے دی جائے تو بچے کی تخلیقی صلاحیتیں متاثر ہوتی ہیں ۔

بنیادی ترقی ،شعور اور قومی یکجہتی کو محفوظ بنانے کے لیے بہت ضروری ہے کہ ہرقوم کو یہ اجازت دی جائے کہ وہ ابتدائی تعلیم اپنی مادری زبان میں حاصل کرے۔نصاب چاہے ایک ہو ،قومی تقاضے بھلے یکساں ہوں ،شناخت پاکستانی ہو،طور طریقے اسلامی ہوں ،بنیادی ارکان ایک ہوں ،اس میں اخلاقیات مساوی ہوں لیکن یہ سب کچھ بچے کی اپنی مادری زبان میں ہوں گے تو وہاں بچے نہ صرف بہتر طور پر علم حاصل کرسکیں گے بلکہ اس میں اتنی خود اعتمادی بڑھے گی کہ وہ تحقیق وتجسس کے میدان میں بھی آگے نکل جائے گا ۔

وہ قومیں جو اپنی تہذیب و تمدن پر نازاں ہیں ان میں سب سے بڑی چیز تہذیب کی روشن سرمایہ، زبان ہے۔زبانیں جو آج ختم ہورہی ہیں اس لیے کہ زبانوں کو ریاست کی طرف سے علمی اعانت حاصل نہیں ۔براہوئی زبان جو مملکت پاکستان کی ایک خوبصورت اور تاریخی اہمیت کی حامل زبان ہے اس میں مٹھاس ،چاشنی اور شیرینی ہے اسکے اشعار اور نثرپاروں میں مٹی کی مہک اور تہذیب کی خوشبو ہوتی ہے لیکن اس زبان کو سرکاری اور سیاسی سرپرستی کبھی حاصل نہیں رہی جس کی

وجہ سے اس کو ختم ہونے کاسنگین خطرہ لاحق ہے۔جس کی نشاندہی اقوام متحدہ کی ذیلی تنظیم یونیسکو نے کی ہے۔

اگر ہم براہوئی بچوں کوان کی اپنی مادری زبان میں علم سکھائیں تو یہ علم صحیح طور پر ان کی زبان اور ذہن میں اترجائے گی۔جب کوئی چیز ذہن وزبان میں آجائے وہ خود بخود شعور میں داخل ہوتی ہے۔لہٰذا ضروری ہے کہ بلوچستان میں پرائمری کی سطح تک براہوئی سمیت اس خطے کی تمام زبانوں کو تعلیم کا ذریعہ بنایا جائے ۔

براہوئی زبان بلوچستان مختلف قوموں اور زبانیں بولنے والوں کا مسکن ہے ان میں براہوئی ،بلوچی ،پشتو ،فارسی ،سندھی اور سرائیکی اہم زبانیں سمجھی جاتی ہیں ۔ا ن زبانوں کے گلدستہ میں قدیم تاریخی اہمیت کی حامل براہوئی زبان ایک خوبصورت پھول کی حیثیت رکھتی ہے۔ براہوئی قوم کی زبان وادب نے اس کی ثقافت کو رعنائی اور رنگینی عطاکی ہے۔براہوئی پروٹو دراوڑی لفظ ہے جس کے معنی ہے شمالی پہاڑوں میں رہنے والے لوگ۔جس کااصل وڑاکوئی ہے جو تبدیل ہوکر براہوئی بنی۔اس بارے میں نذیر شاکر براہوئی یوں رقمطرا زہے کہ:

''براہوئی پروٹو دراوڑی لفظ وڑاکوئی (وڑکئی)کی تبدیل شدہ صورت ہے۔براہوئی لفظ کی بنیاد یا ساخت ہندیورپی اور سامی نہیں بلکہ پروٹو دراوڑی الاصل ہے جس کے معنی ہے شمالی پہاڑی لوگ nothern mountaineersکے ہیں ۔''(۱(

براہوئی برصغیر کی قدیم اور اور نمایاں زبانوں میں سے ایک ہے یہ پاکستان ،ایران، افغانستان ،خلیجی ریاستوں اور ترکمانستان میں بولی جانے والی منفرد زبان ہے اور تاریخی اعتبارسے آٹھ ہزار سال قدیم ہے۔پاکستان کی چھٹی بڑی زبان اور ۱۹۰۱ء کی مردم شماری کے مطابق بلوچستان کی پہلی بڑی زبان ہے۔صوبہ کے تیس فیصد لوگ اس میں اپنا مافی الضمیر بیان کررہے ہیں ۔یہ پہاڑوں ،وادیوں دریائوں اورصحرائوں کی زبان ہے۔براہوئی زبان کی قدامت اور مسکن کے بارے میں نذیر شاکر لکھتے ہیں کہ:

''براہوئیوں کا اصل وطن سندھ تہذیب(مہر گڑھ،موہن جو دڑو،ہڑپہ اور معاصر ٹیلے) ہے۔آریائوں نے اس ترقی یافتہ تہذیب پر حملہ کرکے اسے تہس نہس کردیا ۔یہاں کے اصل باشندے (جن کو ماہرین بشریات اور ماہرین آثارقدیمہ نے قدیم دراوڑقراردیاہے)وڑاکوئی یا براہوئی ہیں جو امن پسند تھے۔ان پر آریائو ں نے حملہ کردیابراہوئیوں میں سے جو لڑنے کی سکت نہیں رکھتے تھے وہ آہستہ آہستہ جنوبی ہندوستان ،ایران اور افغانستان نقل مکانی کرگئے ۔ان کی قدیم زبانیں حسب ذیل ہیں :

۱۔براہوئی ۲۔سندھی ۳۔جنوبی ہند کی زبانیں ۴۔ایلامی ''(۲(

براہوئی بولنے والوں کی اپنی منفرد اور خوبصورت لسانی ،ثقافتی اور تہذیبی تشخص ہے۔ان کا اپنا ایک معاشرتی اور قبائلی نظام ہے یہ زبان بلوچستان کے جن علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے ان میں خضدار ،اواران ،واشک،سوراب،قلات،مستونگ،نوشکی ،وڈھ،خاران،چاغی ،پنجگور،بولان ،نصیر آباد،جعفرآباد،لسبیلہ اور کوئٹہ شامل ہیں ۔براہوئی کے تین معروف لہجے ہیں ۔سراوانی ،جہلاوانی

اور ریگستانی لہجہ۔یہ تینوں بولیاں براہوئی کی لسانیاتی خصوصیات کے حوالے سے اپنی اہمیت کا اظہار کرتے ہیں ۔

براہوئی نہ صرف پاکستان بلکہ برصغیر پاک و ہند کی قدیم لسانی اور تاریخی یادگار ہے۔اس زبان کی شان یہ ہے کہ یہ بلوچستان کی شاندار دور کی نشانی ہے ۔اوریہ ریاست قلات کی قومی اورتہذیبی ،لسانیاتی ،نسلی اورتاریخی اقداروروایات کی محافظ اور امین رہی ہے۔

براہوئی زبان کا مطالعہ اور ابھرنے والے سوالات:

مسئلہ چھوٹا ہو یابڑالیکن جب اس مسئلے کو ختم کرنے اور حل کرنے کے لیے عملی اقدام اٹھائے جاتے ہیں توبنیادی بات یہ ہوتی ہے کہ ہم نے مسئلے کوکس حد تک سمجھاہے۔جب تک مسئلہ سمجھ میں نہیں آتا تب تک یہ حل نہیں ہوسکتا ۔اسی نقطہ نگاہ سے جب ہم تعلیم کے مسئلے کو مادری زبان میں تلاش کرتے ہیں تویہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ نہ صرف ایک تعلیمی اور شعوری مسئلہ ہے بلکہ یہ معاشی ،معاشرتی ،اخلاقی اور تہذیبی مسئلہ بھی ہے کیونکہ جب کسی شخص کو یہ کہتے ہیں کہ آئیں اور جدید علم حاصل کریں جس میں سائنس اور ٹیکنالوجی شامل ہے پہلے ہی اس کے سامنے ایسی چیزیں آتی ہیں جنہیں وہ زندگی بھر کہیں نہ سنا ہے اور نہ دیکھا ہے کیونکہ ہمارے پاس تعلیم کا جو پیمانہ ہے جس کو ہم '' شرحِ خواندگی'' کہتے ہیں یہ اس قدر کم ہے کہ یہ عناصربڑی مقدار میں ہمارے سامنے نہیں آتے ۔ہم سائنس و ٹیکنالوجی کی بات کرتے ہیں اس میں اصلاحات کی بات کرتے ہیں اور پھر ہم اردو کی طرف رُخ کرتے ہیں توموصل اور غیرموصل کی بات نکل آتی ہے یہ سب چیزیں بچوں کے لیئے اتنی نئی ہوتی ہیں کہ انہیں سمجھنے میں دشواری پیش آتی ہے۔سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب بچہ اپنے استاد سے کوئی سوال پوچھتا ہے تواستاد بھی اس کو اُس کتاب کے الفاظ میں سمجھاتا ہے جوکتاب اردو یا انگریزی میں تحریرکی گئی ہیں اس لیئے بچے کا مسئلہ وہی کا وہی رہتا ہے۔دوسری دفعہ وہی سوال پوچھنے پربچے کو یاتو ڈانٹ پڑتی ہے یاپھر دوسری بار وہ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں کرتا بلکہ وہ بددل او ر مایوس ہوکر اسکول جانا ہی چھوڑ دیتا ہے ۔

اس سلسلے میں جب میں نے تحقیقی کام کا آغاز کیا توسب سے پہلے ان اساتذہ کرام کو دیکھا جو گزشتہ ستر سالوں سے ایک زبان میں تعلیم حاصل کیے ہیں اور پڑھاتے بھی رہے ہیں لیکن کیا اُس میڈیم پر ان کو سو فیصد عبورحاصل ہے ۔؟ بعض حالات سے یہ بھی معلوم ہونے لگاکہ استاد صاحب جس زبان میں ایم اے کیاہے اس میں تیس سال تک پڑھائے ہیں اس کے بعد یہ استاد اُس ادارے کا پرنسپل مقرر ہونے کے بعدریٹائرمنٹ لے لی ہے اس کے باوجود بھی اُس زبان کی بنیادی تقاضے کبھی پوری نہیں کرسکے ہیں ۔

ایک استاد ایک مضمون میں اس قدرگہرائی میں جاتا ہے لیکن پھر بھی وہ اس مضمون میں مہارت حاصل نہیں کرسکتا،اُس کے تقاضے پورے نہیں کرتے ،اپنی بول چال میں اور اپنی تحریر میں اس زبان کو استعمال تو کرتا ہے لیکن اس کے حسن کو اپنے حسن کو درست تناظرمیں نہیں لاسکتا تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی ضمیر کا سب سے بہترین اظہار اس کی مادری زبان ہے ۔

مادری زبان ثقافتی معلومات کا ایک ذریعہ ہے اور معاشرے میں باہمی دلچسپی کے امور سے متعلق بہترین اظہارکا وسیلہ بھی ۔ذریعہ تدریس کو براہِ راست تفہیم، آموزش اوراساتذہ کی بات چیت میں انتہائی مہارت کے ساتھ منسلک کیا جاتا ہے۔وہ بچے جو اپنی ابتدائی تعلیم مادری زبان میں حاصل کرتے ہیں وہ بہتر نتائج دیتے ہیں جبکہ دوسری زبان میں تعلیم حاصل کرنے کی صورت میں بچوں کے ذہنوں پر بوجھ پڑتا ہے کیونکہ اپنی زبان میں علم حاصل کرنا فطری عمل ہے ۔اس سلسلے میں ڈاکٹرانجم رحمانی کے خیالات کچھ یوں ہیں :

''یہ ایک مسلمہ بین الاقوامی اصول ہے کہ طلباء کو ابتدائی تعلیم ان کی مادری زبان میں دی جائے کیونکہ جب بچہ ابتدائی مدرسہ میں داخل ہوتا ہے تو اس کا اپناایک معاشرتی پس منظر ہوتا ہے جووہ اپنے ہمراہ اسکول لاتا ہے ،لہٰذانصاب کی تفہیم کو آسان اورمؤثربنانے کے لیے ضروری ہے کہ اس کی تعلیم کی بنیاد اس کی مانوس اصطلاحات پراستوار کی جائے ۔اس اصول کوبرطانوی ہند کے کارکنانِ تعلیم نے تسلیم کیا تھا۔''(۳(

جہاں تک براہوئی زبان میں پرائمری کی سطح تک تعلیم دینے کا معاملہ ہے تو اس میں کوئی دورائے نہیں کیونکہ دنیا کی ہرزبان میں ذریعہ تعلیم بننے کی صلاحیت موجود ہوتی ہے شرط یہ ہے کہ اس زبان میں ذریعہ تعلیم بننے کے جملہ لوازمات موجود ہوں وہ زبان جو درس و تدریس کا ذریعہ بنے ذریعہ تعلیم کہلاتی ہے ۔ذریعہ تعلیم کے ذریعے استاد اپنے طالب علم کوجس زبان میں تفہیم علم پہنچاتا ہے طالب علم اس کے بتائے ہوئے ارشادات ذہن نشین کردیتا ہے۔

براہوئی زبان میں تعلیم دینے کے سلسلے میں ذہنوں میں جو مختلف سوالات ابھرتے ہیں وہ امکانی خدشات اورمشکلات کچھ اس طرح ہیں :

۱۔ کیا براہوئی زبان میں اتنی صلاحیت واہلیت موجود ہے کہ و ہ جدید علوم کی تدریس کا کام صحیح طور پر انجام دے سکے۔؟

۲۔ کیا براہوئی زبان میں ہمہ گیری اور ہمہ دانی ہے۔؟

۳ کیا براہوئی زبان کے اد ب میں وسعت ،گہرائی اورپھیلائو ہے۔؟

۴۔ کیا اس زبان میں ذخیرہ الفاظ کی وافر تعدادموجود ہے۔؟

۵۔ کیا اس میں علمی اصطلاحات کے مترادفات پائے جاتے ہیں ۔؟

۶۔ کیا براہوئی زبان وسیع ادب کا مالک ہے ۔؟

۷۔ کیا اس کا اپنا کوئی گرائمرہے۔؟

۸۔ اس میں اخبارورسالے شائع ہوتے ہیں ۔؟

۹۔ کیا اس زبان سے وابستہ لوگ اپنی زبان کی اہمیت سے آگاہ ہیں ۔؟

یہ اور اس نوع کے دیگر بہت سے سوالات ہیں جوپرائمری سطح تک مادری زبانوں کے ذریعہ تعلیم بننے کے لوازمات میں شامل ہیں ۔اس سلسلے میں عرض ہے کہ براہوئی زبان وادب میں ہروہ مواد موجود ہے جواخلاقی تعمیر کی صورت گربنے،جو ادبی رموز کو پورا کرسکے جوالگ الگ موضوعات پر فکروعمل کے سامان فراہم کرسکے۔براہوئی زبان کی وسعت اور ہمہ گیری کی خاصیت

تسلیم شدہ ہے اس میں ذخیرہ الفاظ کی کثرت ہے،تخلیق و تحقیق کے حوالے سے اس میں اعلیٰ قسم کی کتابیں طبع ہوئی ہیں ۔یہ بلوچستان کے تمام علاقوں میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔یہ اپنی وسعت اور ماحول کے حوالے سے اہم اور پسندیدہ حیثیت رکھتی ہے۔

جب ہم براہوئی زبان میں علمی ذخیرہ کی بات کرتے ہیں تو ہمیں اس کا دورانیہ مختصرنظر آتا ہے۔اس کا ایک تاریخی پس منظر ہے۔براہوئی سرزمین ایک لینڈلاکڈایریا رہا ہے ۔یہاں دوسرے ملکوں کے لوگوں کی آمدورفت کم رہی ہے اس لیے اس میں لکھنے پڑھنے کا رواج اتنا نہیں تھا لیکن اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ زبان لکھنے پڑھنے کے رجحان سے خالی رہا ہے۔براہوئی میں علمی ذخیرہ کی بات کرتے وقت اس تلخ حقیقت کو مدِنظر رکھنا پڑے گا کہ براہوئی کے بہت سے ادبی شاہکار اب تک کتابی شکل میں زیورِطبع سے آراستہ نہیں ہوسکے ہیں ۔۱۹۳۰تک ریاست قلات کی سرکاری زبان فارسی رہی ہے اس کے باوجود اگر ہم براہوئی کے سرمایہ محل کودیکھتے ہیں تومکتبہ درخانی کے معرض ِوجودمیں آنے سے لیکر آج تک کی مختصرمدت میں اتنی تحریریں دستیاب ہیں جو ایم فل اورپی ایچ ڈی کی سطح تک کی ضروریات کو پوری کررہی ہیں ۔

براہوئی زبان کی ترقی و ترویج کے لیے بیرون ملک اسکالروں اور محققوں اورخاص طور پر یورپی ماہرین لسانیات کابڑاحصہ رہاہے ۔یہ مستشرقین براہوئی زبان کے محسن شمار ہوتے ہیں کیونکہ انہوں نے بڑی مشقت ،ریاضت اورجانفشانی سے کام لے کربراہوئی کو بنیاد فراہم کیں ۔ان کی تحقیقی کاوشوں نے زبان وادب میں نت نئے راستے کھول دیئے۔ان کے تحقیقی کام کی اہمیت یہ ہے کہ اس سے براہوئی لکھاریوں کو زبان کی تحقیق وترویج کے نئی راہیں دکھائی گئیں ہیں ۔براہوئی زبان پر جن غیر براہوئیوں نے کام کیے ہیں ان میں ہنری پوٹنجر ،لیفٹیننٹ آرلیچ،مسٹر میسن ،کرسچن لین،رابرٹ کالڈویل ،سرجن ہنری ،سرجن کیمبل،کیپٹن ایم نکلسن ،ڈاکٹر ارنسٹ ٹرمپ ،جان ایوری،بگ وتھرایف ،ٹی جی اے گرائرسن ،ٹی جی ایل میئر،جمیعت رائے ،سرڈینس برے ،پادری ڈنکن ڈکسی ،مارگنسٹرین،ایل وی رام سوامی ،ای ایچ ٹنل ،مسٹر بورو ،مسٹر ٹوڈا،مسٹرجولیس،ڈاکٹر ایم بی ایمنیو،سیدکامل القادری ،انوررومان،انعام الحق کوثر کے نام قابلِ ذکرہیں ان سب نے براہوئی پر جو تحقیق پیش کی ہیں ان کے مطابق یہ زبان قدیم تہذیبی میراث کی حیثیت رکھتی ہے۔

براہوئی زبان کو ’’مکتبہ درخانی ‘‘اور’’مکتبہ ایلم ‘‘نے تخلیقی حوالے سے مالامال کردیا ہے ۔ان دونوں مکتبہ فکر کے قلمکاروں نے زبان وادب کی آبیاری کے لیے گراں قدر خدمات نجام دی ہیں ۔مکتبہ درخانی اور مکتبہ ایلم نے ادباء ،شعراء اور قارئین کو ادب سے جوڑے رکھا۔ان کی جہد مسلسل سے براہوئی زبان کی تاریخی عظمت بازیاب اور بحال ہوئی ۔ان کی کوششوں اورکاوشوں کا محورو منتہابراہوئی زبان کو ذریعہ تعلیم بنانا تھا۔

مکتبہ درخانی نے براہوئی زبان میں متعدد کتب طبع کیے اور براہوئی کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن کیے۔اس مکتبہ کے زیراثر مادری زبان میں تعلیم دینے کے حوالے سے منظم کام کا آغازہوا ۔بچوں کو ابتدائی تعلیم انکی اپنی مادری زبان میں ملنے لگی۔ان کی کوششوں اور کاوشوں سے ادب کی بنیادیں مستحکم ہونے لگیں اور براہوئی میں لکھنے پڑھنے کی تحریک کو تقویت ملی۔

''مکتبہ ایلم ''کے بانی بابائے براہوئی حضرت نور محمدپروانہ نے ۱۹۶۰ء میں ایلم اخبارکا اجراء کرکے ایک نئی نظریہ فکر کی داغ بیل ڈالی۔زبان وادب کی ترویج و اشاعت میں بابو پروانہ کی عظمت مثالی ہے۔آپ نے زبان وادب کو حیاتِ جاودانی بخشی اور تخلیقی،تنقیدی اور تحقیقی نثر کو توانائی عطا کی۔اس مکتبہ سے بہت سے نامور لکھاری پیدا ہوئے۔ان میں ڈاکٹرعبدالرحمان براہوئی ،غلام نبی راہی ،غلام حیدر حسرت ،نادر قمبراڑی ،میر عبدالرحمان کرد،امیرالملک مینگل، گل بنگلزئی ،ظفر مرزا،دوست محمد دوست،مریض حجازی،مولائی شیدائی ،تراب براہوئی اور سوز براہوئی نے کارہائے نمایاں انجام دیئے۔یہ سب کے سب جدید ادب کے بانی ہیں ۔اب براہوئی زبان وادب ارتقائی سفر طے کررہی ہے۔نظم ونثر میں پیشرفت کا سلسلہ بدستورجاری ہے۔قلمکاروں کی پُرخلوص کوششوں کو دیکھ کر امیدراسخ ہے کہ براہوئی زبان کا مستقبل نہایت روشن اور شاندار رہے گا۔

زبان وادب کی ترویج واشاعت کے لیے متعدد ادبی ادارے سرگرم عمل ہیں جو فعال کردار ادا کررہے ہیں ان ادبی اداروں میں براہوئی اکیڈمی کوئٹہ اور براہوئی ادبی سوسائٹی کوئٹہ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے شبانہ روزمصروف ِعمل رہ کر زبان وادب کو ہر صنف میں گرانقدر مواد فراہم کیے ہیں اور اپنی زبان وادب کو آنے والی نسلوں کے لیے محفوظ ومامون بنا رہی ہیں ۔براہوئی اکیڈمی کوئٹہ براہوئی زبان کا سب سے بڑا ادارہ ہے اس کے عہدیداران ادب کے رمزشناس اور قلم دُھنی ہیں اپنی ذمہ داریاں نہایت احسن طریقے سے پوری کر رہے ہیں ۔

براہوئی زبان میں چھپنے والے اخبارورسالے ادب وزبان کی ترقی و اشاعت میں بنیادی کردار ادا کررہے ہیں خاص طور پر ہفت روزہ ایلم،سہ ماہی استار سوراب،سہ ماہی مہر نوشکی،ہفت روزہ تلار کوئٹہ اور پڑو براہوئی قاری کے ذوق اور ذہنی تربیت کے علاوہ نئے لکھاریوں کی فنی تربیت میں اہم کردار اداکررہے ہیں ۔ان رسائل و جرائد اور اخباروں نے براہوئی زبان وادب کے فروغ او رپزیرائی میں قابلِ تحسین خدمات انجام دیئے ہیں ۔ان اداروں اوراخبارو رسالوں نے رسم الخط کے حوالے سے نوری نستعلیق کو اختیار کیے ہیں ۔

براہوئی زبان میں تدریس کا عمل مختلف طریقوں سے جاری ہے۔ایم فل اور پی ایچ ڈ ی کے اسکالرزبلوچستان یونیورسٹی کوئٹہ اور علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباداپنی تعلیمی استعداد بڑھانے کے لیے باقاعدہ طورپر مستفید ہورہے ہیں ۔ براہوئی زبان کویہ اعزازحاصل ہے کہ اس میں پڑھنے اور حصہ لینے والے اسکالرز کی تعدادبلوچستان کی دوسری تمام زبانوں کے طلباء سے کہیں زیادہ ہے۔۲۰۱۴کے سیشن میں براہوئی ڈیپارٹمنٹ اوربلوچستان اسٹڈی سینٹرسے ایم فل کے ۴۵اورپی ایچ ڈی کے ۵ اسکالرززیرتعلیم تھے۔اُن میں کچھ نے اپنی تحقیقی کام مکمل کیے اوراب پی ایچ ڈی کررہے ہیں ۔

براہوئی اکیڈمی نے ۴۰۰ کتب اوربراہوئی ادبی سوسائٹی نے اب تک ۱۰۰ کے لگ بھگ کتب شائع کیے ہیں ۔براہوئی زبان ایک دورمیں عالم ادیب اوربراہوئی فاضل کی حیثیت سے تدریسی زبان تھی۔جس سے متعددافرادسندسے نوازے گئے۔میٹرک کے امتحان میں براہوئی زبان اختیاری مضمون کی حیثیت سے شامل ہے جب کہ ایف اے کی سطح تک براہوئی انٹرمیڈیٹ اورڈگری کالج کی کلاسوں میں باقاعدہ

پڑھائی جاتی ہے اور اس کے لیکچررزبھی تعینات ہیں ۔بی اے میں اختیاری اورآپشنل مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے۔ایف اے، بی اے اورایم اے میں پرائیویٹ اورریگولردونوں حیثیتوں سے یہ نصاب کی زبان ہے۔اس کے علاوہ کوئٹہ سے کراچی تک جتنے بھی مدارس ہیں ان میں نصاب توعربی اورفارسی ہے لیکن ابلاغ کی زبان آج بھی براہوئی ہے۔مختصریہ کہ براہوئی زبان اگرذریعہ تعلیم کی حیثیت سے پرائمری سطح تک نافذکی جائے تو یہ تعلیمی نظام میں ایک کامیاب زبان ثابت ہوگی۔

براہوئی زبان بحیثیت تدریسی زبان ایک تصوراتی سوچ یاقابل عمل حقیقت:

دنیامیں موجودتمام اقوام کی تاریخ بنظرغائر دیکھی جائے تویہ بات روزروشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ ان اقوام کی تشکیل اورثقافتی حدودکی تعیناتی اورشناخت میں سب سے بڑاہتھیارزبان ہے۔زبان درحقیقت وہ طاقت ہے جس کے نام سے قومیں وجودپاتی ہیں ۔زبان تسبیح کاوہ مضبوط دھاگہ ہے جس میں قومیں ایک خاص ثقافتی رنگ کے ساتھ پیوست ہوتی ہیں ۔تہذیب وثقافت کادل ودماغ زبان ہی ہے۔ انسان کی محبت اپنی زبان سے اس قدرہوتی ہے جس قدراس کی محبت اپنے خاندان سے ہے۔یہی حقیقت دراصل ثقافت کے ساتھ محبت کی ہے۔ زبانیں ایک دوسرے سے ایسے قریب ہوتی ہیں جیسے مقناطیس لوہے کے قریب ہوتاہے۔یہ تعلق کسی غرض ،لالچ یاجبرکامحتاج نہیں بلکہ یہ ایک فطری چاہت ہے۔ہروہ جذبہ جس کی رگیں فطرت سے پھوٹتے ہیں وہ دنیاکاسب سے بڑا،مضبوط اورسچاجذبہ ہوتاہے۔زبان درحقیقت ایسے جذبوں کامجموعہ ہے جس کوقدرت نے اپنے کمال سے لوگوں کوگھیرتے ہوئے مخصوص محبت میں پنہا ں کی ہے۔ثقافتی میدان میں یہ طاقت صرف اورصرف زبان میں ہے۔جوکہ محبت کاتناہے۔جواسی تنے سے پانی اورخوراک حاصل کرتے ہوئے چاروں طرف پھیلے ہوئے ہیں ۔

پاکستان ثقافتی لحاظ سے ایک امیر ملک ہے۔اس میں بہت سی زبانیں بولی جاتی ہیں ۔جن میں سے کچھ اس قدرقدیم ہیں کہ ثقافتی طاقت ان کی قدامت کی تحقیق سے عاجزہے۔مگربدقسمتی سے ان زبانوں کی ثقافتی اوتاریخی اہمیت اس قدرسرکاری سرپرستی حاصل نہیں کرسکی ہے جس قدر یہ اپنی قدامت اورتہذیبی اہمیت پر فخر کرتے ہوئے اپنے اس دعوے کو ملکی اور بین الاقوامی سطح تک کرسکیں بلکہ یہ زبانیں غربت ،پسماندگی اور بے قدری کی ایسی گہری کنویں میں پھینکی گئیں کہ وہ اپنے تمام ثقافتی صفات سے دستبردار ہوتے ہوئے اپنی جان بچانے کے لیے پریشان ہیں ۔یہ بے مہری اوربے مروتی جہاں ثقافتی حُسن کوبدصورت کرتی ہیں وہاں قومی رواداری کے محل میں بھی شگاف ڈالتی ہیں ۔

سرکار سرپرستی سے جب ان زبانوں کومایوسی ملی توہرزبان نے اپنے طورپرزندہ رہنے کی راہ تلاش کی۔اس نتیجے میں استحصال اورلوٹ مارکاماحول ابھرکرسامنے آنے لگے۔طاقتوروں نے کمزوروں کومزیدکمزوربناتے ہوئے ان کے حقوق سلب کیے۔اوریوں کمزورزبانوں کے بولنے والے بھی مایوس ہونے لگے جس سے قوموں کے مابین غلط فہمیاں جنم لینے لگیں اوروہ ایک دوسرے سے دُورہوتی گئیں ۔ دوسری طرف انگریزی زبان نے ملکی زبانوں کوجکڑلیااوراردو قومی زبان ہونے

کے باوجوداپنے دوسرے خاندان والی زبانوں کی دردکونہیں سناـبات اگریہاں تک ہوتی توشایداس کوپالسیوں کانتیجہ قراردیاجاتا، لیکن یہ درداس وقت اوربڑھنے لگاجب گلوبل ولیج میں یہ صداہراونچے ایوان میں گونجنے لگاکہ حقیقی علم توصرف اورصرف مادری زبان میں حاصل ہوتاہےـاس کودنیااپنے عمل سے سچ ثابت کرتے ہوئے آگے لائے لیکن ہمارے پالیسی سازوں نے دُوراندیشی سے کام نہیں لیااورآنکھیں بند کیں ـاس کا نتیجہ آج یہ ہے کہ ساری زبان والے حکومت سے نہیں بلکہ ریاست سے شکوہ کرتے نظر آتے ہیں کیونکہ حکومتیں بدلتی رہیں مگر زبانوں کی ترقی و ترویج کے بارے میں ریاست کی پالیسی تبدیل نہیں ہوئیـلسانی تعلیمی پالیسی میں مادری زبان کی اہمیت کو نظر انداز کیاگیا ہے جو تہذیبی ،تعلیمی، لسانی،اور انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہےـپاکستان کے نامور ماہر تعلیم اور ماہر نفسیات ڈاکٹر انجم رحمانی مادری زبان میں تعلیمی اہمیت کو یوں بیان فرمایا ہے:

''ماہرین نفسیات بچے کی ابتدائی تعلیم اس کی مادری زبان میں دینے کے قائل ہیں ـان کی نظرمیں بچوں کوآٹھ سال کی عمرسے قبل ہی مادری زبان کی تعلیم دیناُن کی ''صلاحیتوں کاخون''کرنے کامترادف ہےـاس اصول اورنظریہ کے پیش نظر راکثریورپی ممالک میں بچوں مادری زبان کی تعلیم تقریباًاسی عمرکے لگ بھگ شروع کروائی جاتی ہےـمادری زبان دیگرعلوم کے حصول کاآسان ذریعہ ہوتی ہےـچنانچہ اکثرماہرین تعلیم کی نظرمیں ایک مستحکم نظام تعلیم وہ ہوتاہے جوانسانی ملت ومعاشرت کاذریعہ اورعلمی وعملی ترقی کی بنیادہےـایک انسان مادری زبان کی مددسے بڑی حدتک دوسری زبانوں کے سیکھنے میں کامیابی حاصل کرتاہےـاس کی وجہ یہ ہے کہ وہ بنیادی استعدادجوایک غیرزبان کے سیکھنے کے لئے ضروری ہے،محض مادری زبان کے وسیلہ ہی سے حاصل ہوئی ہےـاس لحاظ سے بھی مادری زبان کی تعلیم پرتوجہ دیناضروری ہے۔''(۴(

پاکستان میں کم ازکم آٹھ زبانوں میں ادبی رموزکاایساخزانہ موجود ہے جوتحقیق کے لیے بڑامیدان فراہم کرتاہےـیہ خزانہ لوک ادب میں بھی نظرآتاہے اورجدیدادب میں بھی اس کی نشاندہی کی گئی ہےـجہاں تک براہوئی زبان کی بات ہے تویہ زبان ایسے محققین کوتحقیق کے لیے ایسامیدان اوراتنی زیادہ جہتیں فراہم کرتی ہے کہ اس کے ادب کی ہرجہت پرپی ایچ ڈی کی ڈگری کی سطح تک نہ صرف تحقیق ہوسکتی ہے بلکہ یہ آسان بھی ہےـبیبل کی لوک داستان ہویاچانجل کی چھم چھم کرتاہواچال ، جب ان پرادب کارنگ چڑھ جاتاہے تو فوک ادب بھی دنیامیں نام کماسکتاہےـلیکن شرط یہ ہے کہ محبت کاہاتھ ادب کے اوپرسرکارکی صورت میں سایہ فگن ہواورمحقق کوقدم ڈگمگانے کے بعدہاتھ تھامنے اوراوپراُٹھانے کے لیے کوئی ہمدرداوردوستخواہ اسکے قریب ہوـبراہوئی زبان کویہ اعزازحاصل ہے کہ لسانیات کاہرذخیرہ اس کااپناہےـاورزبان وادب کے حوالے سے یہ بہت سی ہمسایہ زبانوں سے چندقدم آگے ہےـمخارج کے حصے میں اگربراہوئی زبان کودیکھاجائے تو''خل وملـ''کاذخیرہ اس کواس قدراونچالے جاتاہے کہ کوئی دوسری زبان اس حدتک پہنچ نہیں سکتیـوقت کے جتنے یلغاربراہوئی زبان ہوئے ہیں اگریہ کسی اورزبان پرہوتے تو وہ زبان کب کی ختم ہوچکی ہوتیـسیاست کے سب سے بڑے زخم براہوئی زبان نے سہے ہیں ۔ بیقدری کی تیریں براہوئی پرچلی ہیں ـقلم کاغذکے لیے بھی

براہوئی ترستے رہے۔لیکن براہوئی زبان کھبی ہارنہیں مانی ،ہتھیارنہیں پھینکی اوردلبرداشتہ نہیں ہوئی۔براہوئی زبان کے ساتھ یہ رویہ کیوں اپنایا گیا اس کی جھلک اس تحریرمیں ملاحظہ کیجئے:

''یہ بھی ایک حقیقت یکہ زبان کواس کا اہل اقتدارترقی دیتاہے ۔اس کی ترقی کاانتظام وانصرام کرتاہے۔جدیدتاریخ کے مطالعے سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ اہل اقتدارنے براہوئی زبان کی جانب کوئی خاص توجہ نہیں دی۔نتیجے میں یہ زبان کمزورہوگئی توقوم کے جذبات بھی ماندپڑگئیں اُن کویہ خوف لاحق ہے کہ اس زبان کی موجودگی اُن کے نام نہادمفادات کوزِک پہنچائے گی ۔گہرا مطالعہ بتاتاہے کہ خوف میں اس سے نہ صرف زبان کونقصان پہنچاہے بلکہ ایک معاشرتی عمل بھی متاثرہوا ہے ۔(۵(

ریاست قلات کے براہوئی حکمرانوں کی براہوئی زبان سے بے نیازی نے عام بر اہوئیوں کواپنی دھرتی ،معاشرہ اور ثقافت سے دُورکردیاخاص طورپر ۱۹۳۱کے بعدخان احمدیارخان اورانجمن وطن بلوچستان کے سیاسی کارکنوں کی ترجیحات میں براہوئی زبان کی ترقی وترویج کوپس پشت ڈالاگیا اور پھرقیام پاکستان کے بعدسیاسی وحدت کے شوق نے عام لوگوں کوبراہوئی زبان سے دست کش کیاسیاسی مفادات کے جنون و جذبہ نے نہ صرف براہوئی زبان کوتنہائی کاشکارکیابلکہ براہوئی زبان سے دُوری نے براہوئی ثقافت کے وجوداورتسلسل کوخطرے میں ڈالدیاہے۔

جس زبان میں اس قدر استعداد ہو کہ لاشعوری طورپر مائوں کی لوریاں ،کسانوں کی پکار (چھی ء بگو)اور چرواہوں کی للکار(ڈر کچ)اپنے ادب کو سینہ بہ سینہ زندہ رکھے وہ زبان آبِ حیات پینے والی زبان کہلاتی ہے۔جوصرف جینے کا فن جانتی ہے۔مشکل اور غربت کو اپنے لیے سرمایہ افتخار سمجھتی ہے ۔

براہوئی زبان کی بودوباش پہاڑوں کی گھاٹیوں ،بیابانوں ،صحرائوں اور موسم کے بے رحم ماحول میں ہوئی ہے جوظاہری طورپر مشکل چیزیں نظر آتی ہیں درحقیقت یہ قدرت کے انعام ہیں ۔براہوئی نے مشکل حالات میں آنکھیں کھول کے جوان ہوئی ہے ۔یہ وہ ادب ہے جو بیرونی اثرات سے محفوظ اپنے لوگوں کی ترجمانی کررہا ہے۔جس کی شاعری درد اور چاہت کی مکمل تصویر ہے۔جس کی لوک داستان میں حقیقت کی روح پائی جاتی ہے اور جس کی انفرادیت آج بھی تاریخ کے ماتھے کا جھومر ہے اس کے چاروں طرف بڑی اور مضبوط زبانیں رہی ہیں لیکن براہوئی مفلس ہوتے ہوئے بھی صاحبِ ثروت ہونے سے دستبردار نہیں ہوئی۔شاہی دربار میں اگرشان وشوکت کی شہنائیاں بجتی تھیں تو دشت وبیابان ،بستی بستی براہوئی زبان کسانو ں اور چرواہوں کی بازگشت بھی سنائی دیتی تھی۔ایسی زبان عظیم اور تاریخی ورثہ کا حامل ہوتی ہے ۔

براہوئی زبان کا پورا پورا حق ہے کہ اس میں تعلیم دینے کا سلسلہ شروع کیا جائے کیونکہ براہوئی زبان کو ترقی دیئے بغیر اس کے بولنے والوں کے دماغوں سے احساس کمتری ختم نہیں ہوسکتا اور نہ خود اعتمادی پیدا ہوسکتی ہے۔براہوئی زبان صرف اظہارو خیالات کا ذریعہ نہیں بلکہ یہ روایات واقدار کی حامل زبان ہے۔بقول حضرت نور محمدپروانہ ''براہوئی زبان پاکستان کی قدیم تاریخی اور لسانی یادگار ہے جو کہ آج کل عدم توجہی کا شکار ہے یہ بے توجہی نہ صرف حکومت کی طرف سے

روا رکھی گئی ہے بلکہ براہوئی کو محروم رکھنے میں ان کے بولنے والوں کی اپنی بے توجہی ‘بھی شامل حال ہے۔اس طرح کی عدم توجہی براہوئی زبان کو احسا س محرومی میں مبتلا کرسکتی ہے لیکن ختم نہیں کر سکتی کیونکہ براہوئی زبان پر فطرت سایہ فگن ہے۔ ‘‘(۶(

اس خطے میں انسانی تاریخ کبھی کبھار خودبراہوئی تاریخ کے سامنے اتنی چھوٹی رہ جاتی ہے کہ زمانہ کی تاریخ براہوئی تاریخ کو ماما کہنے پر مجبور ہوجاتی ہے۔اپنی انمول تاریخی شان وشوکت اور ادبی سبق کے ساتھ براہوئی ادب کے سارے رموز اپنے سینہ میں محفوظ کررکھاہے اور جدید ادب کے تقاضے پیداکیے ہیں ۔آج براہوئی زبان مسرت و شادمانی کے ساتھ یہ دعویٰ کررہی ہے کہ مجھے تعلیم کا ذریعہ بنائومیں آپ کی پہچان اور شناخت کو آسمان کی رفعتوں تک پہنچانے کا وعدہ کرتی ہوں ۔کیونکہ میں نے ان سب طوفانوں کو نزدیک سے دیکھاہے جوبلندی کو روکنے کا وعدہ کرتے ہیں ۔زبان کی ترقی و ترویج اصل میں قوم کی ترقی وبھلائی ہے۔براہوئی دروغ بیدیر(ایک براہوئی سالن)سے گزارہ کرسکتاہے اسکے جسم میں قوتِ برداشت موجود ہے کہ وہ وقت کی ہر مشکل کو پیچھے دھکیلتے ہوئے اپنی منزل کا پتا لگا سکے۔براہوئی ذریعہ تعلیم بن جائے تو براہوئی کی محنت ومشقت اور مزدوری اس کو کامیابی کی منزل پر خود پہنچا سکتی ہے۔

براہوئی علاقوں میں قلات وہ سرزمین ہے جسے عربوں نے سب سے پہلے فتح کیا ۔عربوں نے اس علاقے کو فتح کرتے ہی اس کے لوگوں کاعقیدہ بدل ڈالا اور ان کو مسلمان بنایا۔اس کے لیے عربوں کی یہ پالیسی تھی کہ اس علاقے کے معتبرین کے ساتھ عزت و احترام کے ساتھ پیش آیا جائے اوریہ کہ اسلام کے عدل وانصاف اور براہوئی قوم کے اصول اور روایتیں عوام کو اسلامی لشکر کے ساتھ شامل ہونے پر مجبور کرتے تھے ۔براہوئی اس زمانے میں بھی دل کے سچے اور قول کے پکے ہوتے تھے اسلیے جب انہوں نے اسلام اختیارکیا تو سچے دل اور ایمان کی صداقت سے مسلمان بنے۔ عربوں نے عربی زبان کو دفتری زبان بنائی تو مسلمانوں نے قرآن پاک کی عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے اس سے بڑی محبت اور عقیدت رکھنے لگے۔اس لیے براہوئی زبان سرکار کے کاغذات میں جگہ نہیں بناسکی۔براہوئی جنہوں نے تعلیم وتعلم کی پیاس بجھانے کے لیے درس وتدریس کی راہ پر چلے تو وہ بھی اس کے لیے عربی زبان میں درس وتدریس کے عمل کواختیار کرنے پر مجبور ہوئے۔عربی کے ساتھ قوت پکڑنے والی دوسری زبان اس خطے میں فارسی تھی ۔فارسی اس قوم کی زبان تھی جو اس خطے میں عربوں سے قبل بڑی طاقت رکھتی تھی۔عربوں نے اس قوم کو فتح تو کی لیکن فارسی دانوں اپنے بڑے پن اور شاہی خیالات سے کبھی دستبردار نہیں ہوئے۔اس کے ساتھ یہ تلخ حقیقت بھی کارفرما تھی کہ فارسی اور عربی کے بیچ فرقہ واریت کی دیوار کھڑی کی گئی ۔فارسی ایران کی زبان تھی جوکہ عقیدے کے لحاظ سے شیعہ فرقے کی زبان تصور کی گئی اور عربی کو سنیوں کی ترجمانی کرنے والی زبان قرار دی گئی ۔اوردرس وتدریس پر غلبہ حاصل کرنے کے لیے ان دو زبانوں کے مابین مقابلہ شروع ہواجس کا نتیجہ اس کہاوت میں پوری طرح نظرآتا ہے’’وڑھن سانھ پٹ جن بوڑھو‘‘یعنی ان دوزبانوں کی لڑائی سے نقصان براہوئی زبان کو پہنچاجو اپنے ہی خاندان میں بیگانہ بنتی گئی۔

ہمایوں کی ہندوستان کے تخت سے محرومی اورعمرکوٹ میں مغل سلطنت کے وارث اکبرکی ولادت نے برصغیر کی لسانی تاریخ میں ایک نئے موڑکا آغاز کیا ۔ہمایوں اپنے بیٹے اکبر کو ساتھ لے کرخضدار اور مستونگ کے علاقے سے ہوتے ہوئے شاہ عباس کے دربار میں ایران پہنچ گئے اپنے دستار کو اتارکر منت سماجت کرنے لگے کہ میرے بیٹے کی سلطنت دلائو ۔شاہ عباس نے اس التجا کو قبولیت بخشنے کے لیے جو شرائط پیش کی ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ اکبر کوبادشاہی ملنے کے بعد مغل حکمران اپنی سلطنت کے آخری حدودتک فارسی زبان کو نافذکریں گے۔یہ ایک ایسی شرط تھی جو برصغیر کی دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ براہوئی زبان کے منہ سے نوالہ چھین لی۔مغلوں کی سلطنت میں دن بہ دن توسیع ہوتارہا اور فارسی زبان اتنی عام ہوئی کہ ۱۹۳۰ تک قلات کی سرکاری زبان فارسی تھی ۔جہاں پبلک دستاویزات ۱۹۸۰تک فارسی زبان براہوئی علاقوں میں لکھی جاتی تھیں جیسے کہ راقم الحروف نے لکھا ہے کہ :

''براہوئی تاریخ کی طرح براہوئی زبان بھی کھٹن دور سے گزری ہے۔ان دقت طلب حالات کی وجہ سے براہوئی اپنی قدیم شناخت کوہر حال میں برقراررکھی ۔براہوئیوں کایہ احساس زبان سے محبت کا مظہر ہے کہ وہ براہوئی نہیں جسے براہوئی بولنا نہیں آتاہو''حقیقت بھی یہی ہے کہ قوم کی واحدشناخت زبان ہوتی ہے۔''(۷(

براہوئی زبان پر واقعی مشکل وقت آئے اگر براہوئی کی جگہ کوئی اور زبان ہوتی تو قوی اندیشہ تھا کہ یہ نزاع کی حالت میں ہوتی۔مگر براہوئی کا دوسرے زبان والوں سے الگ بودباش براہوئی زبان کے لیے زندگی کا پیغام ثابت ہوگیا۔براہوئی بچے اغااغو کے بعد براہوئی زبان میں بولنا شروع کردیتے ہیں تو وہ ساری زندگی عمر کے اسی سال گزارنے کے بعد بھی اپنی وصیت براہوئی میں کرتے تھے ۔براہوئی سرزمین کی لینڈ لاک یا غیر براہوئی کے لیے مکلف ہونا براہوئی کے لیے لاشعوری طور پر آکسیجن اور گلوکوز کا کام دیا۔چلتن کے دامان سے لے شاشان کی گھاٹیوں تک براہوئی گڈریا(چرواہا)کی نہ زبان تبدیل ہوگئی نہ گیت بدل گئے۔براہوئی ماں کی لولی جہاں اپنے بچے کے لیے نیک دعا تھی تووہاں براہوئی زبان کے جسم میں تازہ خون پیدا کرتے ہوئے براہوئی کو روزانہ ایک گبرو نوجوان بنادیتی۔

براہوئی زبان وادب نے نہایت مبارک سمت پر اپنا آغاز کیا ہے۔اسلام کی روشن تعلیمات اور توحیدو مساوات کا سبق وہ موضوع تھا جس نے براہوئی ادب کی داغ بیل ڈالی۔جوبنیاد اب اسباق میں رکھاجاتا ہے وہ ماڈل کسی صورت کمزور نہیں ہوتا۔اس کا سب سے بڑا ثبوت براہوئی زبان وادب ہے۔جس پر وقت کا ہر خراب موسم حملہ آور ہوا ہے پھر بھی ادب میں بہار کا بہت ہی بڑا اور خوبصورت پھول براہوئی میں تشکیل پایا ہے۔براہوئی زبان میں براہوئی فاضل عالم،ادیب اورایم اے براہوئی کے بعدمیٹرک ،ایف اے اور بی اے کے امتحانات میں اختیاری مضمون کی حیثیت سے جاری ہونے کے بعد اب ایم فل او پی ایچ ڈی کو نہایت مختصر مدت میں شروع کیاگیاہے۔براہوئی لکھاری اس جانب تیزی سے متوجہ ہورہے ہیں ۔ان میں یہ تمنا اور آرزو زور پکڑ رہا ہے کہ وہ ایم فل و پی ایچ ڈی کریں ۔براہوئی لوک داستان اور لوک شاعری پنے مخصوص رنگوں کے ساتھ اپنی مثال آپ ہیں ۔چھارو بھکی (زیدی کا

پہاڑی علاقہ)کے کوہ و دمن میں اگر ایک براہوئی چرواہا سینہ بہ سینہ اس محفوظ حمدیہ نظم کودل کی اتھاہ گہرائیوں سے مترنم ہوتے ہوئے کہتا ہے:

ارف منتے خُدانا پیدا کرے بُتے نا

یعنی اللہ تعالیٰ کا احسان مند بنو جس نے آپ کے خوبصور ت جسم کو بنایاتو اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان خشک گھاس پھُوس ،چارسوں پھیلے ہوئے حجروپہاڑاور چشموں سے ابلنے والے شفاف پانی کے ساتھ بیان ہوتا ہے۔ قدرت کی حسین رنگوں میں جب ادبی رنگ بھی قدرتی انداز میں سماجاتاہے تو جذبات خالص بن جاتے ہیں ۔ ہمدردیاں اور چاہتیں سچی ہوتی ہیں ۔زبان سے نکلنے والا ہر لفظ تاریخ کا حصہ بن جاتا ہے۔حمدیہ کلام کی یہ رنگینی کبھی بے اثر نہیں ہوسکتی اور نہ یہ بغیر وجہ کے تصور میں آتے ہیں بلکہ ان میں وہ قوت بھی شامل ہے جو کہ حضرت شاہ کمال جیلانیؒ کی درس میں تھی جس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت بیان ہوتی تھی ،حضرت پیر عمر شیخ کی وہ محنت وریاضت ساتھ تھی جو لاالٰہ کے پیغام کو دشت و بیابان بستی بستی پہنچانے میں شبانہ روز مشغول تھی۔حاجی عبداللہ شاہ کی قربانیاں شاملِ حال تھیں جن میں اپنی زندگی کا سودا کرکے اسلام کے آفاقی پیغام کو جگہ جگہ پہنچانا اپنی زندگی کا مشن بنایا تھا۔ درس و تدریس کایہ ذریعہ براہوئی زبان تھا جس کی بنیاد اسلامی تعلیمات کے ساتھ ملاتے ہوئے اس دھرتی پررکھی گئی۔ دینی ادب کی یہ برکت براہوئی ادب کو بامِ عروج تک پہنچائی۔آج بھی اگر لوک ادب کو جمع کیا جائے تو ادب کا کوئی بھی ایسا فارمیٹ پیچھے نہیں رہے گاجہاں براہوئی ادب کی شاہکارکتابیں ہمیں دستیاب نہ ہوں ۔

قسمت کی مہربانی صرف یہاں ختم نہیں ہوتی بلکہ ریاست کے شاہی خاندان کے گھروں سے براہوئی کونکالاگیااور دربار سے اس کی حیثیت ختم کی گئی تو ہر کوئی یہ سمجھ بیٹھا کہ براہو ئی یتیم ہوگئی ۔یتیم کی زندگی یاتو دربدری کی زندگی ہے یا پھر بے سہارے کی موت لیکن پھر براہوئی کہاوت کے مطابق ''کسی نے کسی کا خدا دیکھا نہیں ہے'' براہوئی زبان کو پھر دینی سرپرستی نے اپنے آغوش میں لے لیا۔پہلی باربراہوئی دینی ماحول سے وجود میں آنے لگی۔ براہوئی کا تحریری ادب پہلی بار خان نصیر خان نوری کے دور سے شروع ہوتا ہے جوکہ ملا ملک داد قلاتی کی تصنیف کردہ 'تحفۃالعجائب''کی صورت میں منصئہ شہودپرآتی ہے۔اس کے بعد مولانا نبوجان کی ''تحفۃالغرائب'' مولانا عبدالمجید چوتوئی کی ''درالمجید''علامہ محمد عمر دینپوری کی کتاب ''سودائے خام ''یا پھر مولانا عبدالحق لاکھوریانی کی تصنیف ''سخن حق'' کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ایک طرف ''کان جواہر''براہوئی کی شاہکارکتاب کی صورت میں آتی ہے تو دوسری جانب ''شہدوشفا''براہوئی زبان کو زندگی بخشتی ہے۔یہ سب کتابیں جہاں اصلاحی پہلو لیتے ہوئے ہمارے سامنے آتی ہیں وہاں یہ ثابت کرتے ہیں کہ براہوئی ادب دینی ادب سے بنیاد پاتا ہے۔قدرت براہوئی زبان کے لیے مکتبہ درخانی کی صورت میں ایک وسیلہ نکالتی ہے کہ مولانا محمد فاضل درخانی اس مظلوم زبان کے سر پر دستِ شفقت رکھتا ہے اور براہوئی کی شان و شوکت میں مکتبہ درخانی رحمت کا فرشتہ ثابت ہوتا ہے ۔یہ مکتبہ صبح شام دین کی خدمت میں لگ کر اپنی تصنیفات کو یکے بعد دیگرے بھیجتا رہتاہے جن کی زبان براہوئی ہے۔اسلام کے متوالے ان کتابوں کو سر آنکھوں پر رکھتے ہیں اور پھر کتابوں کو ہاتھوں

ہاتھ لے کر دین کی خدمت براہوئی زبان میں اتنی پھیلتی ہے کہ نہ صرف سندھ و خراسان بلکہ ایران و عربستان میں ہر براہوئی بولنے والے کے ہاتھ میں مکتبہ درخانی کے سوا کچھ نہیں آتا۔ قدرت نے مکتبہ درخانی کے کام میں اتنی بڑی برکت ڈالی کہ براہوئی کتب کی اشاعت کے بعد براہوئی زبان والے پیچھے دیکھنے اور خوشحالی کو فراموش کرگئے۔اپنی تمام تر توانائی کے ساتھ تیزی سے گامزن ہوئے۔ہمسایہ زبانوں نے مجبور ہوکر ان کی قوت کے سامنے سرِتسلیم خم کیے ۔مکتبہ درخانی کی کوششوں کی بدولت ریاست قلات میں زبان دوستی اور ادب دوستی کو فروغ ملااوربراہوئی زبان ایک علمی اور ادبی زبان بن گئی۔ملک میں اس وقت سندھی اور پشتو اسکولوں میں رائج ہیں جبکہ ملک کے پالیسی ساز اداروں نے دوسری مادری زبانوں کے بجائے پرائمری سے یونیورسٹی کی سطح تک اردواور انگریزی کو تعلیم کا ذریعہ بنایا ہے جس کی وجہ سے بلوچستان میں براہوئی بلوچی اور پشتو اور دوسری مادری زبانوں کی علمی طاقت کمزورپڑگئی ہے جس کی وجہ سے ان زبانوں ،خاص کربراہوئی زبان کی شناخت متاثر ہو رہی ہے۔

علم وسیع اور گہراموضوع ہے۔ حیات سے زیست تک، بشمول جملہ کائنات و معاملاتِ آخرت کے تمام معاملات علم میں شامل ہیں اس کو جاننے کے لیے ضروری ہے کہ انسان ہر مشکل سے آزاد ہو ۔سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ علم کو جس زبان میں آپ حاصل کر رہے ہیں کیا آپ reproduce یعنی واپس کررہے ہیں ؟اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے جو علم حاصل کیا وہ آپ کی دھرتی ،زبان اور لوگوں کی نہیں لیکن اس میں آپ کو ایک بنیادی راستہ ملتا ہے کہ اس کا موضوع یہ ہے ۔اس موضوع کو لیتے ہوئے علاقہ کو دیکھتے ہو ،اپنے عوام کو دیکھتے ہو اس کی روشنی میں آپ اس علم کو اس قدر وسعت دیتے ہو ،اس کو اس قدر دھرتی پر پھیلاتے ہو کہ آپ جہاں جائیں آپ کا یہ علم عوام کا ترجمان بنے،ان کے مسائل اجاگر ہوں ،اور مسائل کا حل موجود ہوں ،اور ہر شخص اس کو سنتے ہی یہ سمجھے کہ یہ میرے دل کی بات،میرے مسائل کا حل اور دکھ درد کی بات ہورہی ہے تو اس علم کی نہ صرف قدرو قیمت ہوگی بلکہ اس علم کو وہ اپنا سرمایہ سمجھے گااور پھر یہی علم وہ اپنے کنبے اورعوام کو دیتا ہے۔اس کے لیے سب سے بنیادی چیز وہی ہے جو سب سے زیادہ آ سان ہے اور آسان الفاظ میں کسی کو سمجھائو اور وہ سمجھ سکے ۔جب وہ اس کو سمجھ سکااور اس کے شوق کو پرواز ملی تو آپ سمجھ لو کہ علم کا جو بنیادی مقصد تھا وہ حل ہورہاہے۔

اس کا سب سے بڑا نتیجہ یہ ہے کہ ہر زبان کے الفاظ میں ایک تصور بندھا ہوتا ہے۔ہر لفظ میں ایک سوچ، ایک تخیل اور معنویت پنہاں ہوتا ہے جس کو ترجمہ کرنا مشکل ہے اس لیے کہ لفظوں کا ترجمہ تو ہو سکتا ہے لیکن احساسات کا نہیں ۔علم احساسات کا مجموعہ ہے۔جہاں احساسات ہوتے ہیں وہاں احساسوں میں اپنائیت ،انسانی قدروقیمت ،احسان،اور معاشرہ میں ایک کردار ہوتا ہے اس کے علاوہ تاریخ وتہذیب اور ثقافت ہوتی ہے۔جب یہ سا رے احساسات ایک جگہ جمع کرتے ہیں تونہایت ضروری ہوتا ہے کہ ہم ان احساسات کو اس زبان میں بیان کریں جو زبان ان لوگوں کے پاس ہے جس کو ہم پڑھاتے ہیں یا جن کے بارے میں ہم پڑھتے ہیں تب جاکر ہم ایک ایسا علم متعارف کراسکتے ہیں جس کے نتیجے میں ہم تاریخ وتہذیب کی حفاظت ،خوشحال زندگی ،قدرتی وسائل سے استفادہ

،سائنس و ٹیکنالوجی سے حصولِ علم اور اقوامِ عالم میں باعزت مقام حاصل کرسکیں ۔ آپ ان کی تاریخ کواٹھاکر دیکھ لیں ان کی تاریخ نے ان کو اس مقام تک پہنچایا ہے تو اس میں ان کا سب سے بڑا کمال وہ علم ہے جسے انہوں نے پنی مادری زبان میں حاصل کیا ہے۔

یہ مقالہ اس نتیجے پر ختم ہوتا ہے کہ براہوئی واقعی ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے نفاذکا استحقاق رکھتی ہے ۔نتائج سے ظاہر ہوا کہ براہوئی زبان میں پڑھانے سے طلباء کی مہارتوں میں بہتری آئے گی اور ان کے بہتر سوچنے کے عمل اور تخلیقی صلاحیتوں میں نکھار آئے گا ۔نتائج سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ براہوئیوں کو اپنی زبان کو درپیش خطرات سے آگاہی اور واقفیت ہے اور اپنی زبان کو آنے والی نسلوں تک کے لیے محفوظ رکھنا چاہتے ہیں ۔تحقیق کے نتائج اس امر پر زور دیتے ہیں کہ پرائمری کی سطح تک براہوئی زبان کو ذریعہ تعلیم کی حیثیت سے رائج کیا جائے۔

اس تحقیق کا مقصد یہ جاننا تھا کہ وہ کونسی رکاوٹیں ہیں جو براہوئی زبان کوذریعہ تعلیم بنانے میں مانع ہیں ۔اس کی ایک وجہ تو یہ کہ معاشرے میں تعلیم یافتہ افراد کی کمی ہے۔یہاں تک کہ لوگوں کو اپنی زبان اورتاریخ وتہذیب کی اہمیت سے آشنائی میسر نہیں ۔یہ نہایت افسوس کی بات ہے ۔ جن لوگوں کو زبان کی اہمیت کا پتا نہیں وہ زبان کی بقاء اور حفاظت کے لیے کیا کردار ادا کرسکیں گے ۔دوسری بات یہ سامنے آئی کہ براہوئی زبان میں اس قدرتحریری مواد موجود ہے کہ زبان کی بنیادی ضرورتیں پوری کرسکیں ۔جب براہوئی میں تعلیم دینے کا معاملہ شروع ہوگا تو قلمکارزندگی کے ہر شعبے میں خوبصورت تخلیق تحریرکریں گے جوہماری تدریسی عمل کا حصہ بنیں گے اور براہوئی زبان کوذریعہ تعلیم بنانے کے راستے میں حائل رکاوٹیں رفع ہوجائیں گی۔

جب میں نے تحقیق کے میدان میں قدم رکھا اور معاملہ کی تہہ تک پہنچا تو بحیثیت محقق اور ایم فل اسکالر اس مسئلے کے نشیب وفراز کو جانچا تو مجھے احساس ہوا کہ تعلیم صرف کمانے اور نوکری حاصل کرنے کانام نہیں بلکہ شعورو تہذیب کا نام ہے۔یہ انسان کو اعلیٰ اور ارفع مقام عطا کرتی ہے۔اس کے برعکس انسان خودکو،خلق خدا کو اوراس کی کائنات کو سمجھنے کے بعد اپنے کردار کو اس ماحول ،معاشرہ اور سماج کو علم ہی کی بدولت سمجھتاہے۔تعلیم لوگوں کو اس وقت فائدہ دیتی ہے جب یہ تعلیم اس کے کردار میں آجائے ۔کردار میں تعلیم اس وقت آتی ہے جب انسان تعلیم کو مکمل طور پر سمجھ لیتا ہے۔سمجھنے کے بعد تعلیم پر عمل کیا جائے ۔عمل سے اس تعلیم کو پھیلائے جس کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ یہ تعلیم انسان کی اپنی زبان میں ہو اس سے نہ صرف اُسے اپنی زبان سے محبت ہوتی ہے بلکہ وہ دوسری زبانوں سے بھی محبت کرتا ہے۔اس لیے اسے احساس ہوتا ہے اور مکمل طور پر جانتا ہے کہ زبان کی کیا اہمیت ہے۔

یہ حقیقت ذرا تلخ ہے جسے میں بحیثیت طالب علم بیان کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جن زبانوں میں اسوقت تعلیم دی جا رہی ہے خاص طور پر میں اردواورانگریزی کی بات کروں گا ۔میرا واسطہ ایسے لوگوں سے پڑا جو عرصہ بیس بائیس سالوں سے اس میڈیم سے منسلک رہے ہیں ۔مضمون چاہے جو بھی ہو لوگ ایم فل اور پی ایچ ڈی ہولڈر ہیں اس کے باوجود تلفظ کی درست ادائیگی اور زبان کے تقاضے پورے نہیں ہو رہے ہیں ۔اس لیے کہ انسانی سوچ پر کسی کی پابندی نہیں ہے۔انسانی

سوچ میں اس کے احساسات کابڑاعمل دخل ہوتا ہے۔صبح سے شام تک معاشرہ یا سماج میں جو کچھ ہوتا ہے اس سے جونفع اور نقصان اسے پہنچتا ہے کل کا لائحہ عمل آج کی یہ سوچ اور رویہ تشکیل دیتاہے ۔اس میں بین الاقوامی معلومات ،دینی معلومات اور اخلاقیات شامل ہیں ۔ہم یہ کہتے ہیں کہ دنیا ایک گلوبل ویلیج بن چکی ہے۔ اس شعور کو آگے لانے کے لیے انسانی احساسات کو سمجھنا انتہائی ضروری ہے ۔انسانی احساسات اس وقت صحیح طور پر سمجھ آتے ہیں جب آدمی لفظ کو ضرور پڑھے لیکن جو بنیادی سوچ ہے وہ انسانی احساسات کا ہے۔اس کو صرف اور صرف انسان اپنی مادری زبان میں حاصل کرسکتا ہے۔

اس لیے ہم حقیقی ترقی،شعور،خوشحالی اور سازوسامان کو دیکھتے ہیں یا رسل و رسائل اور وسائل پر نظر ڈالتے ہیں تو ان کے لیے جو چیزیں ہمارے ارد گرد ہما ری زمین پر موجود ہیں جو ادارے قائم ہیں جو یہ خدمات انجام دے رہے ہیں پھر ایک دوسرے سے منسلک کوارڈی نیشن کرنے والے ادارے باہم مل کر کام کرتے ہیں تب جاکر یہ ممکن ہوتا ہے کہ ترقی، خوشحالی اور بین الاقوامیت کی ایک سوچ اجتماعی طور پر سماج میں رواج پاتی ہے ۔یہ اس وقت ممکن ہے جب ہم حقیقی تعلیم کو حقیقی زبان میں دیدیں ۔باربار اس کے تسلسل اور سوچ کو توڑدیں کہ وہ لغت پر جائیں ۔قلم اٹھاکر لکھنا شروع کرے اور پھر اس کی سمجھ میں بھی نہ آئے کہ وہ چیز جسے میں اپنی زبان میں سوچتا ہوں اس کو کس دوسری زبان میں کس طرح بیان کرتے ہیں ۔ دلبرداشتہ ہوکروہ راستہ چھوڑجاتا ہے دوسرا لفظ استعمال کرتا ہے اوراپنے احساسات کے ساتھ سمجھوتہ کرتا ہے ۔تو یہ چیز حقیقی تخلیق یا انسانی سوچ کا حقیقی ترجمان نہیں بن سکتا ۔یہ اس وقت ممکن ہو سکتا ہے جب یہ سارے اپنی زبان میں ہوسکے۔

براہوئی زبان کو ترقی دینے کے حوالے سے ابتدائی معلومات کی روشنی میں چند تجاویز پیش ہیں تاکہ براہوئی زبان کے ذریعہ تعلیم بننے کے راستے میں بڑے کانٹوں کودور کیا جاسکے۔

۱۔ براہوئی زبان کے لوک ادب کو جمع کیا جائے تاکہ براہوئی زبان کی حفاظت ممکن ہوسکے اور اس کو باقی رکھا جائے ۔

۲۔ ہر صو بے میں مادری زبانوں کو پرائمری کی سطح پرپڑھائی جائے ۔ثانوی اور اعلیٰ ثانوی تعلیمی سطحوں پر اردولازمی اورانگریزی زبان کو ثانوی حیثیت سے پڑھائی جائے۔مڈل کلاسز کے درجے پر صوبائی زبانوں کا ایک مضمون ہونا چاہیئے۔

۳۔ سفارش کی جاتی ہے کہ پانچویں جماعت تک براہوئی زبان کو درسی کتب کی زبان اورذریعہ تعلیم بنایاجائے اور تیسری جماعت سے سرکاری زبان کے طور پر پڑھائی جائے ۔

ہمیں قومی زبان اردوکے ساتھ ساتھ مادری زبانوں کو فوقیت دینا چاہیئے اور قومی دھارے میں ان کا حق تسلیم کرنا چاہیئے۔یہ خدشہ کہ مادری زبانوں کو ترقی دینے سے اردو کا وجود خطرے میں پڑجائے گا ، درست نہیں بلکہ مادری زبانوں کی ترقی سے اردو کو فائدہ ہوگا جیساکہ احمد ندیم قاسمی نے کہا ہے :

مادری زبانوں میں ابتدائی تعلیم دینے سے قومی زبان کونہ صرف یہ کہ خطرہ درپیش نہیں ہے بلکہ اس میں اردو کا سراسر نفع ہی نفع ہے۔۔ایک صدی تک ہمرا ذریعہ تعلیم انگریزی زبان رہی مگر اس کی ابتدائی تعلیم طلباء کو پرائمری جماعتیں پاس کرنے بعد شروع کی جاتی تھی ۔انگریزاپنی زبان کی ہم اثری کے تسلسل میں اتنے اندھے نہیں تھے کہ ہمارے اسکولوں میں تعلیم کا آغاز انگریزی میں کرتے ۔وہ جانتے تھے کہ یہ صورت ناقابل عمل ہوگی اور ناقابل قبول بھی(۸(

حوالے:

)۱(براہوئی، نذیر شاکر، براہوئی اور بلوچ، پاکستان: براہوئی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، ۲۰۱۵ء، ص۱۷۰

)۲(ایضاً ، ص۸

)۳(انجم رحمانی، ڈاکٹر، پاکستان میں تعلیم :ایک تحقیقی جائزہ، لاہور: پاکستان رائیٹرز کوآپریٹوسوسائٹی، ۲۰۰۶ء، ص۶۱۷

)۴(ایضاً ، ص۵۰۰

)۵(براہوئی، ذوق، کمال، کوئٹہ: براہوئی اکیڈمی ،۲۰۰۶ء،ص۸۷

)۶(پروانہ، نورمحمد،''اداریہ'' ہفت روزہ ایلم، مستونگ: ۱۷/ستمبر۱۹۶۰ء،ص۸

)۷(براہوئی، ذوق،کمال، ص۴۸

)۸(انجم رحمانی، ڈاکٹر، پاکستان میں تعلیم:ایک تحقیقی جائزہ، ص۔۵۰۸

/...../